© rasailojaraid.com

قرآن وسنت کی عظمت واتباع نہج البلاغہ کی روشنی میں

ڈاکٹر محمد شکیل اوج
استاذ الفقہ والتفسیر، شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

۱۴ اگست ۲۰۰۶ء بروز پیر، اہل تشیع کے قدیم بلکہ کراچی کے اولین آفاقی مدرسے "جامعہ امامیہ" (ناظم آباد) (قائم شدہ ۱۸ جولائی ۱۹۵۵ء) میں نہج البلاغہ کی علمی وادبی عظمت کے عنوان سے ایک سیمینار منعقد ہوا۔ اس سیمینار میں شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی کے چیئرمین پروفیسر مولانا غلام مہدی، مولانا ظفر حسن نقوی، مولانا مشتاق حسین شاہدی، مولانا اصغر درس، پروفیسر سید سبط جعفر زیدی، اور مولانا قنبر علی قمری نے اپنے اپنے انداز میں خطبات پیش کیے۔ راقم بھی اس سیمینار میں مقرر کی حیثیت سے مدعو تھا۔ سیمینار میں بتایا گیا کہ آج سے ۳۲ سال پہلے بھی اس مقام پر نہج البلاغہ کے عنوان سے ایک سیمینار منعقد ہوا تھا۔ جس میں شیعہ علماء کے ساتھ اہلسنت کے نامور عالم اور جامعہ کراچی میں کلیۂ معارف اسلامیہ کے سابق رئیس پروفیسر مولانا منتخب الحق قادری مرحوم بحیثیت مقرر شریک ہوئے تھے۔ اور اب ایک طویل مدت کے بعد اسی عنوان سے ایک بار پھر کچھ علماء اور اسکالرز کو مدعو کیا گیا ہے۔ اس موقع پر راقم نے جو خطاب کیا وہ ذیل میں نذر قارئین ہے۔

معزز علمائے کرام وسامعین محترم!

جامعہ امامیہ میں، نہج البلاغہ کے تعلق سے ہونے والی تقریب میں اپنی شرکت کو میں ایک اعزاز سمجھتا ہوں۔ موضوع کی مناسبت سے میں نے جو گفتگو کرنی ہے اس کا عنوان ہے "قرآن وسنت کی عظمت واتباع نہج البلاغہ کی روشنی میں"۔ نہج البلاغہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب خطبات کا ایک عظیم وادبی شاہکار سمجھا جاتا ہے۔ بہر حال قرآن وسنت سے اپنے خصوصی تعلق کے پیش نظر میں نے

نہج البلاغہ کے ایک ایسے ہی خطبہ کو اپنی گفتگو کے لیے منتخب کیا ہے جس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن وسنت کی عظمت کو بیان فرمارہے ہیں۔ یہ خطبہ نہج البلاغہ کی جلد اول میں موجود ہے۔ جس کا نمبر شمار ۱۰۸ ہے۔ میں اس خطبے کے آخری حصے کو یہاں بعینہٖ نقل کروں گا۔ پھر اس کا وہ ترجمہ پیش کروں گا۔ جو مولانا مفتی جعفر حسین مرحوم نے کیا ہے۔ بعدہ اس خطبہ کو اپنے ترجمہ کی زبان میں بھی پیش کروں گا۔ اصل خطبہ ملاحظہ ہو:

افیضوا فی ذکر الله فانه احسن الذکر، وارغبوا فیما وعد المتقین فان وعده اصدق الوعد، واقتدوا بهدی نبیکم فانه افضل الهدی، واستنوا بسنته فانها اهدی السنن، و تعلموا القرآن فانه احسن الحدیث وتفقهوا فیه، فانه ربیع القلوب، واستشفوا بنوره، فانه شفاء الصدور، واحسنوا تلاوته فانه احسن القصص، فان العالم العامل بغیر علمه کالجاهل الحائر الذی لا یستفیق من جهله بل الحجة علیه اعظم والحسرة له الزم وهو عندالله الوم.

(نہج البلاغہ، جلد اول، خطبہ نمبر ۱۰۸ کا آخری حصہ، صفحہ نمبر ۳۱۶، اردو ترجمہ مولانا مفتی جعفر حسین، امامیہ کتب خانہ، مغل حویلی اندرون موچی دروازہ لاہور، اضافہ شدہ ایڈیشن، سن اشاعت درج نہیں)

مفتی جعفر حسین کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے:

اللہ کے ذکر میں بڑھے چلو، اس لیے کہ وہ بہترین ذکر ہے اور اس چیز کے خواہشمند ہو کہ جس کا اللہ نے پرہیزگاروں سے وعدہ کیا ہے اس لیے کہ اس کا وعدہ سب وعدوں سے زیادہ سچا ہے، نبی کی سیرت کی پیروی کرو کہ وہ بہترین سیرت ہے اور انکی سنت پر چلو کہ وہ سب طریقوں سے بڑھ کر ہدایت کرنے والی ہے اور قرآن کا علم حاصل کرو کہ وہ بہترین کلام ہے اور اسمیں غور وفکر کرو کہ یہ دلوں کی بہار ہے اور اسکے نور سے شفاء حاصل کرو کہ سینوں (کے اندر چھپی ہوئی بیماریوں) کے لیے شفا ہے اور اسکی خوبی کے ساتھ تلاوت کرو کہ اس کے واقعات سب واقعات سے زیادہ فائدہ رساں ہیں۔ وہ عالم جو اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا اس سرگرداں جاہل کے مانند ہے جو جہالت کی سرمستیوں سے ہوش میں نہیں آتا، بلکہ اس پر (اللہ کی) حجت زیادہ ہے اور حسرت وافسوس اس کے لیے لازم وضروری ہے اور اللہ کے نزدیک وہ زیادہ قابل ملامت ہے۔

اور اب راقم کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے:

قانون خداوندی کی طرف بڑھو کیونکہ یہ بہترین قانون ہے اور اس چیز کے طلبگار ہو جس کا متقین (یعنی قانون الٰہی کے خطرات سے محفوظ ہونے والوں) سے وعدہ کیا گیا ہے بلاشبہ اس کا وعدہ تمام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وعدوں سے زیادہ سچا ہے اور اپنے نبی ﷺ کی سیرت کی پیروی کرو۔ کیونکہ یہ سب سے اعلیٰ سیرت ہے۔ اور انکی سنت کو اپناؤ کیونکہ انکی سنت تمام سنتوں سے زیادہ ہدایت یافتہ اور سب سے بڑھکر ہدایت رساں ہے۔ اور قرآن کا علم حاصل کرو کیونکہ یہ بہترین کلام ہے اور اسمیں خوب فہم وبصیرت حاصل کرو، کیونکہ یہ دلوں کی بہار ہے، اور اس کے نور سے شفا حاصل کرو، کیونکہ یہ سینوں میں پیدا ہونے والی تمام بیماریوں کے لیئے شفاء ہے اور اسکی پیروی بہترین انداز سے کرو، کیونکہ اسمیں تمہارے لیئے بہترین نشانات قدم کی اتباع کا سامان موجود ہے، بے شک قرآنی علم کے سوا (کسی اور پر) عمل کرنے والا عالم اس پریشان و سرگرداں جاہل کی طرح ہے جو اپنے جہل کی مستی سے باہر نہیں نکلا۔ جبکہ (قرآن اور انکی تعمیل) اس پر سب سے بڑی حجت ہے (اس لیئے) حسرت ویاس اس کے لیئے لازم ہے اور اللہ کے نزدیک وہ سب سے زیادہ قابل ملامت بھی ہے۔

اس خطبے کے ایک ایک لفظ سے قرآن وسنت کی ضرورت واہمیت اور انکی عظمت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ خصوصاً خطبہ کا یہ جملہ بار بار پڑھے جانے کے لائق بلکہ قابل حفظ ہے:

وتعلموا القرآن فانه احسن الحديث و تفقهوا فيه۔

دراصل یہی وہ جملہ ہے کہ جس نے مجھے اس خطبے کے انتخاب پر انگیخت کیا اس جملہ میں قرآن، حدیث اور فقہ تینوں الفاظ اکٹھے ملتے ہیں۔ اسمیں قرآن مجید کو احسن الحدیث کہا گیا ہے اور یہ وہی بات ہے، جو قرآن میں ایک جگہ اس طرح آئی ہے۔ اللہ نزل احسن الحديث (زمر/۲۳) اللہ نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے۔

اور وتفقهوا فيه میں ہ ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ فقہ کا ماخذ و مصدر قرآن مجید ہی ہے۔ بالفاظ دیگر کہا جاسکتا ہے کہ قرآن حدیث بھی ہے اور فقہ کا موضوع بھی۔ گو فقۂ اہلسنت میں ادلۂ اربعہ، قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس بیان کیئے گئے ہیں۔ اور ان سب کو اپنی اپنی جگہ ایک مستقل دلیل کی حیثیت دی گئی ہے۔ مگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبے میں قرآن کو حدیث بلکہ احسن الحدیث کہہ کر گویا اسے عرفی حدیث سے ممتاز اور نمایاں کردیا ہے، جیسا کہ ایک جگہ خود قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے۔

فبای حديث بعده يومنون۔ (المرسلت/۵۰) پھر وہ اس کے بعد کس کلام پر ایمان لائیں گے۔

مطلب یہ کہ قرآن ہی اصل حدیث ہے۔ جو اپنی حقانیت میں کسی سند کا محتاج نہیں ہے۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی کوئی حدیث، خواہ قولی ہو یا فعلی، قرآن سے

متعارض نہیں ہو سکتی، کیونکہ حدیث (روایت) کی پرکھ کا سب سے بڑا معیار خود قرآن کریم ہے۔ جسمیں بتایا گیا ہے۔

واذا تتلى عليهم اياتنا بينت قال الذين لا يرجون لقاءنا ائت بقرآن غير هذا او بدله ط قل ما يكون لي ان ابدله من تلقآء نفسي ج ان اتبع الا ما يوحى الي ج اني اخاف ان عصيت ربي عذاب يوم عظيم۔ (یونس/۱۵)

اور جب ان پر واضح احکام پیش کئے جاتے ہیں تو وہ لوگ جو ہم سے ملاقات کے آرزومند نہیں کہتے ہیں کہ آپ اس کے سوا کوئی اور قرآن لے آیئے یا (اسکے احکام کو) بدل دیجیئے۔ آپ فرمادیجیئے کہ مجھے کیا حق پہنچتا ہے کہ میں اسے اپنی خواہش سے بدل دوں۔ میں تو اس وحی کی پیروی کا پابند ہوں۔ جو مجھ پر کی جاتی ہے اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

اس آیت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ قرآن ہی احسن الحدیث ہے۔ اس لیئے تو خطبہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں، تفقهوا فيه میں فقہ کا موضوع فقط قرآن کو بتایا گیا ہے کیونکہ فیہ میں ہ ضمیر واحد قرآن کی طرف راجع ہے اور یہ وہی بات ہے جو سورۂ توبہ میں اس طرح آئی ہے:

وما كان المومنون لينفروا كآفة فلولا نفر من كل فرقة منهم طآئفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون۔ (التوبہ/۱۲۲)

اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سارے کے سارے مسلمان ایک ساتھ نکل کھڑے ہوں تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک حصہ نکل کر آئے تاکہ وہ دین میں تفقہ (یعنی خوب فہم وبصیرت) حاصل کرے۔ اور واپس جا کر اپنی قوم کو ڈرائے تاکہ وہ لوگ بھی (غلطی کرنے سے) بچیں۔

آیت میں ليتفقهوا في الدين کے الفاظ آئے ہیں اور خطبہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں تفقهوا فيه، کے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں تفقہ دراصل دین میں تفقہ ہے۔ گویا قرآن دین کا دوسرا نام ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ دین کی اقامت قرآن کے ذریعہ ہوتی ہے۔ خدانخواستہ اگر قرآن کی نفی کردی جائے تو پھر دین کا وجود ہی ختم ہو جائے گا۔ اس لیئے ہمارے غور وفکر اور تعقل وتدبر کا سامان قرآن کریم میں رکھ دیا گیا ہے۔ بایں معنی کہا جاسکتا ہے کہ عصر حاضر میں پیش آمدہ مختلف فقہی معاملات ومسائل کو قرآن کی روشنی میں دیکھنا چاہیئے تاکہ قرآن سے متخرج اور مستنبط فقہ مسلمانوں کے علمی وفکری اتحاد کا ذریعہ بن سکے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آیت میں مذکور تفقہ فی الدین کا مفہوم دورِ رسالت مآب ﷺ میں جو سمجھا گیا تھا وہ کچھ اور تھا کیونکہ اس وقت معروف معنیٰ میں کوئی فقہ موجود نہ تھی۔ اور اب تفقہ فی الدین کسی اور چیز سے عبارت ہے۔ یہ امر ہم سب کے لیئے لائق توجہ ہے۔

اب میں ان پہلوؤں کو بیان کروں گا جو میں نے اپنے ترجمے میں اختیار کیئے ہیں:

افیضوا فی ذکر اللہ فانہ احسن الذکر ۔ میں ذکر سے مراد میں نے قانون خداوندی کو لیا ہے۔ خدا کا قانون، چونکہ مختلف احکام کے مجموعے پر مشتمل ہے۔ اس لیئے اس جملہ کا ترجمہ میں نے بایں الفاظ کیا ہے۔ قانون خداوندی کی طرف بڑھو، کیونکہ یہ بہترین قانون ہے۔ میرے اس ترجمے کی تائید خطبے کے اگلے جملے سے بخوبی ہوتی ہے جسمیں کہا گیا ہے وارغبوا فیما وعد المتقین یعنی اس چیز کے طلب گار بنو جس کا متقین سے وعدہ کیا گیا ہے۔ قرآن کی زبان میں متقین انہیں کہا جاتا ہے جن کے اعمال صالح ہوں۔ اس لیئے جملہ سابقہ میں ذکر اللہ سے قانون خداوندی کو مراد لینا نظم عبارت کے پہلو سے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح واستنوا بسنۃ فانہا اھدی السنن میں اھدیٰ کا ترجمہ میں نے اسم تفضیل کی رعایت میں نیز حضور نبی پاک ﷺ کی سنت کی عظمت کے پیش نظر دوہرے مفہوم پر مشتمل الفاظ سے ادا کیا ہے۔ خطبہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ادا ہونے والا لفظ "اھدیٰ" دراصل مبنی للمفعول بھی ہے اور مبنی للفاعل بھی۔ کیونکہ اسم تفضیل جیسے اسم فاعل کے لیئے آتا ہے۔ ویسے ہی اسم مفعول کے لیئے بھی آتا ہے۔ حالتِ فاعلی میں اسکے معنیٰ ہوتے ہیں بہت زیادہ ہدایت دینے والا اور حالتِ مفعولی میں اسکے معنیٰ ہوتے ہیں۔ بہت زیادہ ہدایت یافتہ۔ اور یہاں یہ لفظ مجھے دونوں معنیٰ کا جامع دکھائی دیتا ہے۔ کیونکہ یہ کلام جس سے ادا ہوا ہے۔ اور جس کے لیئے ادا ہوا ہے وہ دونوں ہستیاں اپنی اپنی جگہ انتہائی شان جامعیت کی حامل ہیں۔ اس لیئے ضروری ہے کہ میں اسے دونوں طرح سے نمایاں کروں۔ چنانچہ میں نے اس کا ترجمہ بایں الفاظ ادا کیا ہے۔ اور اسکی سنت کو اپناؤ کیونکہ اسکی سنت، تمام سنتوں سے زیادہ ہدایت یافتہ اور سب سے بڑھ کر ہدایت رساں ہے۔ واحسنوا تلاوتہ فانہ احسن القصص (خطبہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اس جملہ میں تلاوۃ کے مفہوم کی ادائگی خود تلاوت کے لفظ سے کی گئی ہے۔ جبکہ میں اپنے ترجمے میں تلاوت کے معنیٰ پیروی کرنے، پیچھے پیچھے چلنے کے بیان کیئے ہیں۔ اس معنیٰ کی سند ہمیں قرآن کی اس آیت سے ملتی ہے۔ والقمر اذا تلٰھا (الشمس ۲) اور چاند کی شہادت کہ جب وہ سورج کے پیچھے پیچھے چلے۔ اور احکام کی پیروی واتباع کی مثال کے لیئے یہ آیت دیکھیے:

الذین اٰتینٰھم الکتاب یتلونہ حق تلاوتہ اولٰئک یومنون بہ۔ (البقرہ ۱۲۱)

وہ لوگ کہ جنہیں ہم نے کتاب دی وہ اسکی پیروی کرتے ہیں جیسا کہ اسکی پیروی کا حق ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو اسپر ایمان لاتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہاں تلاوت کے معنیٰ پیروی کرنے کے سوا کچھ اور ہو ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ اس میں تلاوت کرنے والوں کو "یومنون بہ" کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔ اگر یہاں تلاوت کا مفہوم فقط پڑھنا لیا جائے تو لازم آئے گا کہ اسکی تلاوت کرنے والے، ہر حال میں اس پر ایمان بھی لائیں۔ جبکہ مستشرقین اور غیر مسلم دانشوروں کی ایک معتدبہ تعداد، قرآن کریم کو پڑھتی تو ہے مگر دولت ایمان سے بہرہ ور نہیں ہوتی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آیت مذکورہ میں تلاوت کا مفہوم پیروی واتباع ہے نہ کہ فقط پڑھنا۔

اس طرح احسن القصص کا مفہوم میں نے بہترین نشانات قدم کی اتباع سے ادا کیا ہے اور زجاج نے بھی اس کا معنیٰ اتباع الاثر سے بیان کیا ہے۔ قص دراصل کسی کے نقش قدم پر چلنے کو کہا جاتا ہے اس مادہ کے بنیادی معنیٰ کسی چیز کا پیچھا کرنے اور جستجو کرنے کے ہوتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں آتا ہے۔ وقالت لا خته قصیہ فبصرت بہ عن جنب وھم لا یشعرون۔ (قصص ۱۱) اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ان کی بہن سے کہا کہ ان کا حال معلوم کرنے کے لیئے انکے پیچھے پیچھے جاؤ، پس وہ انہیں دور سے (پیچھا کرتے ہوئے) دیکھتی رہی اور وہ لوگ اس امر سے بالکل بے خبر رہے۔ سورۂ کہف میں آتا ہے۔

قال ذلک ما کنا نبغ فارتدا علیٰ اٰثار ھما قصصا۔ (الکہف ۶۴)

موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہی وہ مقام ہے جو ہمارا مطلوب تھا، پس وہ دونوں اپنے نشانات قدم پر وہی راستہ تلاش کرتے ہوئے اسی مقام مطلوب پر واپس پلٹ آئے۔

ان قرآنی تائیدات وشہادات کی روشنی میں میں نے جملہ مذکورہ کا ترجمہ بایں الفاظ ادا کیا ہے۔ اور اسکی پیروی بہترین انداز سے کرو کیونکہ اسمیں تمہارے لیئے بہترین نشانات قدم کی اتباع کا سامان موجود ہے۔

معزز سامعین کرام! میں نے اپنی گفتگو میں انتہائی اختصار سے کام لیا ہے۔ امید کرتا ہوں کہ نہج البلاغہ کی علمی وادبی عظمت کے ضمن میں میرے مختصر اظہار رائے کو کسی بڑی کوشش کی تمہید سمجھا جائے گا۔

واٰخر دعونا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آزادیٔ نسواں کا مغربی تصور

مریم ناز
رکن مجلس التفسیر

عورت بنی نوع انسان کی تعمیر کا پہلا مکتب ہے۔ عورت جسکی کوکھ سے پیغمبروں نے جنم لیا، بڑے بڑے موحد اور محقق اسکی کوکھ میں پلے صدیوں سے جسمانی و روحانی طور پر پامال ہوتی رہی ہے۔ حقوق انسانی سے تہی داماں، شرف انسانی سے فارغ بلکہ حق زندگی سے محروم، اور خود مختاری تو کجا خود کو انسان سمجھنا اس کیلئے شجر ممنوعہ تھا۔ اسکی پوری تاریخ مظلومیت کی داستان ہے۔ حد یہ کہ مختلف زمانوں میں خدا کی طرف سے نیکی و شرافت، سیرت و کردار اور عفت و عصمت کی جو تعلیم آتی رہی رفتہ رفتہ اسکا مطلب بھی یہ سمجھا جانے لگا کہ عورت سے تعلق ہی نہ رکھا جائے۔ یونان ہو یا روم، عرب ہو یا عجم، یورپ ہو یا ایشیا ہر جگہ عورت مظلوم رہی۔ اسکی پوری تاریخ مظلومیت کی داستان ہے۔ خود قرآن نے اسکی مظلومیت کی گواہی دی ہے۔

'جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی خبر دی جاتی ہے تو اسکا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غم سے گھٹنے لگتا ہے۔ اس خبر کو وہ اس حد تک بُرا سمجھتا ہے کہ اپنے آپ کو اپنی قوم سے چھپاتا پھرتا ہے (اور سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ) آیا ذلت برداشت کرتے ہوئے اسکو باقی رکھے یا زیر زمین دفن کر دے۔'[1]

مسیحی تہذیب نے عورت کو گناہ کی جڑ گردانا اور تقویٰ اور اخلاق کا تقاضہ سمجھا کہ نکاح ہی نہ کیا جائے۔ اور عورت سے کنارہ کشی اور دوری اختیار کی جائے کیونکہ اس سے ربط و تعلق انسان کو معصیت اور گناہ سے قریب کرتا ہے۔[2] زمانہ کی رفتار کیساتھ جیسے جیسے یہ تصور بڑھتا گیا عورت سے نفرت و بیزاری میں بھی اسی قدر اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس سے تعلق کو تقویٰ، اور اس سے احتراز کو خدا ترسی کی دلیل سمجھا گیا۔ ان تصورات کا اثر عورت کی انفرادی و معاشرتی زندگی پر بھی پڑا۔ اسکو سوسائٹی میں عزت و مرتبہ کا وہ مقام نہیں ملا جو مرد کو حاصل تھا۔ اسکے حقوق نہیں رہے جو مرد کے تھے۔ اسکی حیثیت ایک ایسے گناہگار اور مجرم کی سی ہوگئی جسے حقارت و ذلت سے دیکھا جاتا ہے۔

خواتین کیلئے چلائی جانے والی تحریکیں اور انکی حقیقت

مسیحی تہذیب میں عورت کی تذلیل کے نتیجے میں حقوق نسواں اور مساوات مرد وزن جیسی تحریکوں کو مغرب میں پنپنے کا موقع ملا۔ 'آزادیٔ نسواں' کی تحریک برطانیہ میں سب سے پہلے اٹھارویں صدی میں اٹھی۔ اس سلسلے میں پہلی کتاب 1792 میں 'A Vindication of Right of Women' کے عنوان کے تحت لکھی گئی۔ اس کے بعد اس تحریک کو نہتے زور و شور سے اٹھایا گیا کہ بیسویں صدی کے آغاز تک یہ پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی۔ 1948 میں 'حقوق نسواں کمیشن' کے نام سے اقوام متحدہ کا ایک ذیلی ادارہ قائم کیا گیا۔ جبکہ خواتین کی پہلی عالمی کانفرنس 1975 میں میکسیکو میں ہوئی اور 'مساوات مرد وزن' اور 'عورت کی ترقی' کیلئے قرار دیں پاس کی گئیں۔ عالمی کانفرنسوں کا انعقاد، 'خواتین کا سال' اور 'حقوق نسواں' کا عالمی دن منانے کے ساتھ ساتھ ایک اہم پیش رفت 1979 میں Convention for Elimination of Discrimination Against Women (CEDAW) کے ذریعے ہوئی۔ اس میں یہ طے پایا کہ عورت اور مرد کو مساوات اور برابری کے مقام پر لانے کیلئے ہر طرح کے امتیاز کو ختم کیا جائے۔ یاد رہے کہ نیو ورلڈ آرڈر کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ دنیا میں جنسی تمیز ختم کی جائے، آبادی کم کی جائے اور خاندان کے تصور کو ختم کیا جائے۔ اس نئی دنیا میں عورت کا ایک نیا تصور ہے جو ایک گھونسلا (خاندان) بنانے والی نہیں بلکہ ایک آزاد اور خود مختار شخصیت ہے۔ رمز فیلڈ نے ایک مرتبہ ایک پریس کانفرنس میں کہا تھا کہ جوان عورتیں پرانے ملاؤں کے زیر اثر ہیں اور امریکہ انہیں جلد آزادی دلائے گا۔ جہاں برتی ضمیر کا انداز، آزادانہ تعلقات، خاندان اور رشتوں کے تصور کا اختتام جلد حقیقت کا روپ دھاریں گے۔[3]

ظلم کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں ہوتا۔ مسیحی تہذیب میں عورت ایک طویل عرصے سے مظلوم چلی آ رہی تھی۔[4] جب اسکی مظلومیت اپنی انتہا کو پہنچ گئی تو اسکے نتائج بھی انتہائی گھناؤنے روپ میں نمودار ہوئے۔ مغرب میں 'مساوات مرد وزن' کے متاثر کن نعرے کے ساتھ اٹھنے والی 'آزادیٔ نسواں' کی تحریک نے معاشرتی اقدار کو درہم برہم اور خاندانی نظام کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ اس بغاوت کے پیچھے عورت کے اندر اپنی حالت کی اصلاح سے زیادہ مرد کی بندشوں سے آزادی اور اس سے انتقام کا جذبہ کارفرما تھا۔ اسلئے اس نے سب سے پہلے اس نظام کو توڑنا شروع کیا جو اسکو مرد کے تابع اور ماتحت رکھتا تھا۔ کسی مسلک و نظریہ کے خلاف ردعمل ہمیشہ اپنی انتہا کو پہنچ کر رہتا ہے۔ چنانچہ مرد کی چیرہ دستی اور ظلم کے خلاف نفرت اور غم و غصہ کے شدید جذبات نے آزادیٔ نسواں کی تحریک کو بھی اپنی حد کے اندر نہیں رہنے دیا اور اسنے عورت کو وہاں پہنچا دیا جہاں عورت، عورت نہیں رہتی بلکہ مرد کا روپ دھار لیتی ہے، حالانکہ یہ ایک مصنوعی لبادہ ہے جو اسنے اوڑھ رکھا ہے۔ دریں اثناء جب مغرب میں تمام اخلاقی اقدار سے آزادی کی ہوا چلی تو مرد نے بھی عورت کے گھر میں رہنے کو اپنے لئے دوہری مصیبت سمجھا۔ ایک طرف تو اسکی ہوسناک طبیعت عورت کی کوئی ذمہ داری قبول کئے بغیر قدم قدم پر اس سے لطف اندوز ہونا چاہتی تھی تو دوسری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرف وہ اپنی قانونی بیوی کی معاشی کفالت کو بھی ایک بوجھ تصور کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے دونوں مشکلات کا جو عیارانہ حل نکالا اسکا خوبصورت اور معصوم نام 'تحریک آزادیٔ نسواں' ہے۔ عورت کو یہ پڑھایا گیا کہ تم اب تک گھر کی چاردیواری میں قید رہی ہو، اب آزادی کا دور ہے تمہیں اس قید سے باہر آکر مردوں کے شانہ بشانہ زندگی کے ہر کام میں حصہ لینا چاہیے۔ اب تک تمہیں حکومت وسیاست کے ایوانوں سے بھی محروم رکھا گیا ہے، اب تم باہر آکر زندگی کی جدوجہد میں برابر کا حصہ لو تو دنیا بھر کے اعزازات اور بلند ترین مناصب تمہارا انتظار کررہے ہیں۔

عورت جس وقت مرد کے پنجہ ستم سے رہائی کیلئے کوشاں تھی اس وقت مغرب میں بڑی تیزی سے صنعتی انقلاب آرہا تھا۔ عورت اپنی فطری جاذبیت کے پیش نظر مرد کیلئے بہت پرکشش حیثیت رکھتی ہے اور اسی حیثیت کے پیش نظر وہ تشہیر کا زبردست ذریعہ بن سکتی ہے۔ چنانچہ سرمایہ داروں کے شاطر ذہن نے عورت کی جسمانی کشش کو استعمال کرنے کا سوچا۔ 'شہوانیت' ایک ایسا جذبہ ہے جس کو بھڑکا کر طاغوتی قوتیں بہت فائدہ اٹھا سکتی ہیں اور باآسانی عوام الناس کا استحصال کرسکتی ہیں۔ تھیٹروں میں، رقص گاہوں میں، فلم سازی میں سارے کا سارا دارومدار اسی پر قرار پایا کہ خوبصورت عورتوں کی خدمات حاصل کی جائیں اور انکو زیادہ سے زیادہ ہیجان انگیز انداز میں منظر عام پر پیش کیا جائے، کچھ لوگوں نے زینت وآرائش کے نت نئے سامان تیار کئے تاکہ عورتوں کے پیدائشی جذبہ نمائش کی تسکین ہوسکے اور وہ دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹیں۔ کہیں ملبوسات کے نئے ہیجان انگیز فیشن نکالے گئے اور خوبصورت عورتوں کو مقرر کیا گیا کہ انہیں پہن کر سوسائٹی میں پھریں تاکہ نوجوان مرد کثرت سے انکی طرف راغب ہوں اور نوجوان لڑکیوں میں ان ملبوسات کے پہننے کا شوق پیدا ہو اور اسطرح سے موجودہ لباس کی تجارت فروغ پائے۔ کچھ لوگوں نے سفلی جذبات کو بھڑکانے والی تصاویر ومضامین کی اشاعت کو روپیہ کھینچنے کا ذریعہ بنایا۔ رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ مشکل ہی سے تجارت کا کوئی شعبہ ایسا باقی ہوگا جس میں شہوانیت کا عنصر شامل نہ ہو۔ کسی بھی کاروباری اشتہار کو دیکھ لیجئے، عورت کی تصویر اسکا جزو لاینفک ہوگی۔ یہ سب کچھ تب ہی ممکن ہوا جب عورت کو گھر کی چاردیواری سے باہر لایا گیا۔ آپ تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں عورت کی جدوجہد آزادی کی کامیابی کے پیچھے آپ کو مغربی وصیہونی سرمایہ داروں کا مفاد واضح طور پر نظر آئے گا۔ مغرب میں آنے والے اس صنعتی انقلاب نے عورت کے سامنے گھر سے باہر کیلئے ایک ایسا نقشہ پیش کیا جو خانگی زندگی سے کہیں زیادہ پرکشش تھا اور جسکے ذریعے سے وہ مرد کی غلامی سے آزاد ہوسکتی تھی۔ دل فریب نعروں کی آڑ میں عورت کو گھسیٹ کر سڑکوں پر لایا گیا، اسے دفتروں میں کلرکی عطا کی گئی، اجنبی مردوں کی پرائیویٹ سیکرٹری کا منصب بخشا گیا، اسے تجارت چمکانے کیلئے سیلز گرل اور ماڈل گرل بننے کا شرف دیا گیا۔ یہاں تک کہ وہ عورت جسے عفت، آبرو اور حیا سے سجایا گیا ہے، ایک 'شو پیس' اور مرد کی تھکن دور کرنے کیلئے تفریح کا سامان بن کر رہ گئی۔ میڈیا نے یہ عجیب وغریب فلسفہ ذہنوں پر مسلط کردیا کہ عورت اگر اپنے گھر میں شوہر، ماں باپ، بہن بھائیوں اور اولاد کیلئے خانہ داری کا انتظام کرے تو یہ قید اور ذلت ہے لیکن وہی عورت چند ٹکوں کی خاطر اجنبی مردوں کیلئے ہوٹلوں میں ٹکٹنگ کرے، انکے کمروں کی صفائی

© rasailojaraid.com

کرے، ہوٹلوں اور جہازوں میں انکی میزبانی کرے، دکانوں پر اپنی مسکراہٹ سے گاہکوں کو متوجہ کرے، دفاتر میں اپنے ساتھیوں اور افسروں کی نازبرداریاں کرے تو یہ 'آزادی' اور 'اعزاز' ہے۔ سبحان اللہ کیا کہنے آپ کی نظر جہاں ساز کے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

کہا تو یہ گیا کہ عورت کو آزادی دے کر سیاست وحکومت کے ایوان اس پر کھول دیئے گئے لیکن ذرا جائزہ تو لے کر دیکھیے کہ اتنے مغربی ممالک کی کتنی خواتین صدر یا وزیراعظم بن گئیں؟ کتنی خواتین کو جج بنایا گیا؟ کتنی عورتوں کو دوسرے بلند مناصب عطا کئے گئے؟ اعداد وشمار جمع کئے جائیں تو ایسی خواتین کا تناسب بمشکل ایک لاکھ میں چند ہوگا۔ ان گنی چنی خواتین کو کچھ مناصب دینے کے نام پر باقی لاکھوں عورتوں کو جس بیدردی کے ساتھ سڑکوں اور بازاروں میں لایا گیا وہ آزادیٔ نسواں کے فراڈ کا المناک ترین پہلو ہے۔ یہ درست ہے کہ آسمانی ہدایت کی ضیاء پاشیوں سے محروم معاشروں میں ہمیشہ سے عورت کا کسی نہ کسی انداز میں استحصال ہوتا چلا آیا ہے مگر گزشتہ صدی کے دوران مغرب میں اٹھنے والی آزادیٔ نسواں کی تحریک نے آزادی کے خوشنما نعرے کی آڑ میں عورت کے استحصال اور اسکی اہانت کا جو بدترین سامان کیا ہے پوری انسانی تاریخ اسکی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے لیکن جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ چنانچہ عورت جو ہمارے معاشرے میں بھی خاندانی نظام کی آبرو سمجھی جاتی تھی اور بحیثیت ماں، بہن، بیوی اور بیٹی تقدس کا ایک نشان اور اپنے پرائے سب کے نزدیک قابل احترام سمجھی جاتی تھی، اپنا پاکیزہ تشخص گنوا کر محض ایک ذریعۂ تشہیر بن کر رہ گئی اور نمود ونمائش کے پست ترین درجے تک گر کر بھی اس خود فریبی کا شکار ہے کہ وہ آزاد ہے، مرد کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل رہی ہے اور اپنے اصل مقام کے حصول کی جانب محو سفر ہے۔

مساوات مرد وزن

نظام کائنات کو خالق کائنات نے اس اصول پر بنایا ہے کہ اسکے تمام اجزاء ایک دوسرے کیلئے محتاج اور محتاج الیہ بن گئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک، کسی پہلو سے ناقص اور کسی پہلو سے مستغنی ہے۔ ہر ایک کسی اعتبار سے مطلوب اور کسی اعتبار سے طالب ہے اور اپنی باہمی سازگاری اور تعاون سے یہ اپنے اپنے خلا کو بھرتے اور اپنے اپنے نقص کی تلافی کرتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو یہ دعویٰ کرنے کا حق نہیں کہ اس نظام کائنات میں جو مقام اسکا ہے کسی دوسرے کا نہیں ہے یا جو مقصد اسکے ذریعے پورا ہورہا ہے وہ کسی درجے میں اور کسی نوعیت سے اس مقصد سے ارفع ہے جو دوسرے کے ذریعے پورا ہورہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو مختلف جنسوں اور مختلف گروہوں میں تقسیم کرکے انکے الگ الگ وظائف مقرر کئے ہیں۔ ان ہی فرائض کی انجام دہی کا مجموعی نام تمدن یا نظام عالم ہے۔ جب کوئی گروہ اپنے طبعی فرائض کو ادا کرنے میں کوتاہی برتتا ہے تو نظام تمدن کی بنیادیں ہلنے لگتی ہیں۔ انسان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی فلاح وخسران درستی فکر وعمل کے ساتھ وابستہ ہے۔ ایسے تمام نظریات جاہلانہ ہیں جو عورت کو محض عورت ہونے کی وجہ سے ذلیل تصور کر کے انسانیت کی بلند سطح سے نیچے پھینک دیتے ہیں اور مرد کو محض اسلئے عرش بریں کا حقدار خیال کرتے ہیں کہ وہ مرد ہے۔ یہ بات بالکل صاف اور واضح ہے کہ عزت وذلت اور سربلندی ونگوں بختی کا معیار تقویٰ اور سیرت واخلاق ہے۔ جو اس کسوٹی پر جتنا کھرا ثابت ہوگا اتنا ہی خدا کی نگاہ میں قابل قدر اور مستحق اکرام ہوگا۔

"جس مرد وعورت نے بھی اچھا کام کیا اگر وہ مومن ہے تو ہم اسکو ایک پاکیزہ زندگی عطا کریں گے۔ اور انکے بہتر اعمال کا جنہیں وہ کرتے تھے اجر دیں گے۔" [5]

بشریت اور حقوق بشریت کے لحاظ سے مرد وعورت میں مساوات ایک فطری اور طبعی چیز ہے لیکن ذات وماہیت، وظیفہ زندگی اور شاہراہ عمل پر مساوات یا مکمل مساوات صرف ایک خیالی چیز ہے جسکا خارجی دنیا میں کوئی وجود نہیں۔ ہم پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت ہوئی کہ اس نے ہادی برحق ﷺ کے ذریعے ہمیں وہ بہترین ضابطہ حیات اور نظام اجتماعی عطا فرمایا جو ہر اعتبار سے اعلیٰ وعمدہ، معتدل ومتوازن اور عادلانہ ومنصفانہ ہے۔ اسلام مرد اور عورت دونوں کو یکساں مقام دیتا ہے۔ دونوں برابر ہیں مگر دائرہ عمل مختلف ہیں تاکہ وہ ایک دوسرے پر اثر انداز ہوئے بغیر بھرپور کامیابی حاصل کریں۔ تقسیم کار کے سلسلے میں اسلام نے عورت ومرد کی فطرت کا بہت ہی وقیع نظر سے مطالعہ کیا ہے۔ فطرت انسانی کے تمام پہلوؤں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے مرد وزن کے مابین حقوق وفرائض کا جو توازن اور عدل اسلام نے عطا کیا ہے کوئی دوسرا نظام اسکی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اسلام نے چونکہ فطرت بشری کی ضرورتوں اور کمزوریوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے اصول تشکیل دیئے ہیں اسلئے جہاں پر عورت ومرد میں مساوات فطرت وطبیعت کے مطابق ہے وہاں تو اس نے مساوات لازمی قرار دی ہے لیکن جہاں دونوں میں تفاوت ہونا چاہیے وہاں فرق کا قائل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت مرد بن سکتی ہے اور نہ مرد کو عورت کے سانچے میں ڈھالا جاسکتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ صلاحیتوں اور قوتوں کے مالک ہیں۔ ایک ہی مقام، ایک ہی آب وہوا اور ایک ہی ماحول میں پرورش پانے والے مرد اور عورت طبعی (Biologically) اور نفسیاتی طور پر باہم اسقدر مختلف ہوتے ہیں کہ شرق ومغرب کے وہ ہم جنس افراد اتنے مختلف نہیں ہوسکتے۔ ڈاکٹر لیمبرو سن گنا اپنی کتاب 'روح نسوانیت' میں تحریر کرتی ہیں:

"عورتیں اور مرد صرف طول وقامت، ہڈیوں کی ساخت اور عضلاتی بناوٹ کے اعتبار سے ہی مختلف نہیں بلکہ اس اعتبار سے مختلف ہیں کہ وہ ہوا اور غذا کی ایک ہی مقدار جذب نہیں کرتے، انکے امراض کی نوعیت مختلف ہوتی ہے، انکے ذہنی اور اخلاقی رجحانات میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔" [6]

آگے چل کر وہ لکھتی ہیں:

"ترقی اور ارتقاء صرف اسی طرح ممکن ہے کہ مردوں اور عورتوں کے معاشرتی حقوق وفرائض کا تعین

کرنے میں ان کے فرق اور اختلافات کو مدنظر رکھا جائے۔" [7]

دونوں کی جسمانی ساخت، پیدائش سے موت تک پیش طاری ہونے والے حالات اور دونوں کے جذبات و احساسات صاف بتاتے ہیں کہ انکی تخلیق بالکل جداگانہ ڈھنگ پر ہوئی ہے اور قدرت ان سے دو مختلف نوعیت کے کام لینا چاہتی ہے۔ اسلام نے دونوں کی نفسیات، طبعی رجحانات اور فکری وعملی قوتوں کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا ہے۔ اسلئے شاہراہ زندگی پر دونوں کا راہ عمل متعین کرنے میں بھی وہ پوری طرح کامیاب ہے۔ مرد پر اقتصادیات و سیاسیات اور ان سے متعلقہ امور لازم کئے گئے ہیں اور خواتین سے خانگی وخاندانی نظام اور بچوں کی تربیت وپرورش سے متعلقہ امور کی کامیاب تکمیل کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اگر مرد وخواتین اپنے اس کردار کی ادائیگی میں کسی کوتاہی سے کام لیں گے تو معاشرے کو شکست وریخت کا شکار ہونے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ جدید فکر کی غلط اندیشی اور سرمایہ دار طبقے کے مفادات نے دونوں کو ایک ہی میدان میں گھسیٹ لیا ہے اور ایک ہی میدان میں ترقی کے مواقع بھی فراہم کئے ہیں۔ حالانکہ انکے پاس اس بات کا کوئی طبعی ونفسیاتی ثبوت نہیں ہے کہ عورت اور مرد کی صلاحیتیں اور قوتیں ایک نوعیت کی ہیں اور جو کام مرد سرانجام دے سکتا ہے وہ عورت بھی سرانجام دے سکتی ہے۔ مرد کی فاعلیت، قابلیت، تاثیر اور غلبہ کی صلاحیتوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو انفعالیت، قبولیت، تاثیر اور مغلوبیت کی استعداد بخشی ہے۔ صبر وقربانی، تسلیم ورضا، نرم جذبات، الفت ومحبت یہ سارے خوبصورت الفاظ عورت کا خاصہ ہیں۔ ہم عورت کو مرد کے شانہ بشانہ لانے پر تلے بیٹھے ہیں حالانکہ عورت اور مرد کی جنس اور ساخت مختلف ہیں، انکے جسم کا ہر ہر cell مختلف ہے۔ عورتیں مردوں کی سطح پر آکر انکی طرح کا کام نہیں کرسکتیں۔ فطرت نے جسے نسل انسانی کی بقاء اور ارتقاء کیلئے پیدا کیا ہے۔ اسے صبر وتحمل بخشا ہے۔ انکے مزاج میں نرمی پیدا کی ہے۔ اسکو اس چیز سے نوازا ہے جسے ممتا کہتے ہیں۔ وہ ایسی نہ ہوتی تو ہم اور آپ پل کر جیتے جوان نہ ہوسکتے۔ یہ کام جسکے ذمے ڈالا گیا ہے اس کیلئے وہ کام موزوں نہیں ہیں جو سختی اور سخت مزاجی کا تقاضہ کرتے ہیں۔ وہ کام اسی کیلئے موزوں ہیں جسے باپ بنا کر کسب معاش اور حفاظت کی ذمہ داری دی گئی اور ان پیچیدہ اور نازک فرائض سے آزاد رکھا گیا جو ماں بننے کا لازمہ ہیں۔ مرد بھی کہاں پیدائش کے عمل سے گزر سکتے ہیں۔ مردوں میں اتنا صبر کہاں کہ بچے، گھریلو امور، تعلیم وتربیت اور خاندانی معاملات کے مسائل سے بیک وقت نبرد آزما ہوسکیں۔ یہ صرف عورت ہی کا کام ہے جو صبر وبرداشت، ساخت اور بناوٹ کے اعتبار سے یہ کام کرسکتی ہے۔ اگر آپ اس تقسیم کو مٹانا چاہتے ہیں تو پھر یہ فیصلہ کرلیجئے کہ اب دنیا کو ماؤں کی ضرورت نہیں۔ تھوڑی ہی مدت نہ گزرے گی کہ انسان ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کے بغیر ہی ختم ہوجائے گا۔ لیکن اگر یہ فیصلہ بھی آپ نہیں کرتے اور اس تقسیم کو بھی مٹانا چاہتے ہیں تو یہ عورت کیساتھ بہت بڑی ناانصافی ہے کہ وہ اس پورے بوجھ کو بھی اٹھائے جو فطرت نے ماں بننے کے سلسلے میں اس پر ڈالا ہے اور جس میں مرد ایک رتی برابر بھی اسکے ساتھ کوئی حصہ نہیں لے سکتا اور پھر وہ مرد کیساتھ آکر سیاست، تجارت، صنعت وحرفت اور لڑائی جھگڑے کے کاموں میں بھی برابر کا حصہ لے۔

© rasailojaraid.com